R. No. 2186/57 Regd. No. L922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

جلد ۲۳ ۔ شمارہ ۳۷ | ایڈیٹر ۔ آل احمد سرور | یکم اکتوبر ۱۹۶۴ء

ادارِیہ

## گاندھی جی اور اُردو

۲ اکتوبر کو گاندھی جینتی ہے۔ حُسنِ اتفاق سے اسی دن انجمن کی تیسری کل ہند کانفرنس کا افتتاح جے پور میں ہوگا۔ کانفرنس شایع شدہ پروگرام کے مطابق ۴ اکتوبر تک جاری رہے گی۔

گاندھی جینتی کے موقع پر ملک بھر میں گاندھی جی کی یاد میں جلسے ہوں گے جن میں معزز اور مفکر، نیتا اور قومی کارکن اُن کی تعلیم پر روشنی ڈالیں گے، ان کی روح کو خراج عقیدت پیش کریں گے، ان کے راستے پر چلنے کی نوجوانوں کو تلقین کریں گے اور پھر جب یہ دن گزر جائے گا تو پھر گاندھی جی کی اُن قدروں کو جن کا ساری دنیا احترام کرتی ہے، بھول جائیں گے۔

ویسے دیکھیے تو گاندھی جی کی ایک شاندار یادگار راج گھاٹ میں ہے اور جب کوئی معزز مہمان باہر سے آتا ہے تو وہ ملک و قوم کے اس محسنِ اعظم کی سمادھی پر پھول چڑھاتا ہے۔ قریب قریب ہر شہر میں گاندھی جی کے نام پر ایک شاہراہ ہے، گاندھی جی کے مجسمے ہیں، ان کے کاموں کو آگے بڑھانے کے لیے کچھ ادارے بھی ہیں جن کو چند مخلص آدمی چلا رہے ہیں۔ ہر موقع پر گاندھی جی کا نام لیا جاتا ہے، ان کی ایک ایک سطر کو جمع کرکے شایع کیا گیا ہے، گاندھیائی فلسفے کی تعلیم بھی بعض اداروں میں ہوتی ہے مگر کیا یہ پوچھنے کی بات ہے کہ ہم نے گاندھی جی کے اخلاقی اصولوں کو، ان کی حق پرستی کو، قومی یکجہتی کے لیے ان کی بے مثال جد و جہد کو، ان کی رواداری کی روایات کو، سادگی، دیانت داری، اعلیٰ کردار کے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ گاندھی جی کا احترام ہے یا ان کے ساتھ مذاق۔

گاندھی جی کی تعلیمات پر دھواں دھار تقریروں کی ضرورت نہیں، ان کے نام اور کام کو زندہ رکھنے کے لیے ان کی ظاہری یادگاروں سے کچھ نہ ہوگا۔ ہمیں ان کی زندگی اور کردار کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھنا ہوگا اور اس پر مقدور بھر عمل کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔

آج نہرو جی کا پورا ملک ماتم کر رہا ہے۔ ان کی یادگار قائم کرنے کی تجویزوں پر زور شور سے بحث ہو رہی ہے۔ ان کے نام کے سکے ڈھالے جا رہے ہیں، یونیورسٹیاں قائم کی جا رہی ہیں، عمارتیں ان کے نام سے منسوب کی جا رہی ہیں۔ ان کے جانشین برابر اعلان کر رہے ہیں کہ ہم نہرو کے راستے چلیں گے۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ انھیں اپنے قول کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا ہو۔ لیکن ہمیں یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں یہ نہ ہو کہ نہرو کا نام بھی اسی زور شور سے لیا جائے جس طرح گاندھی جی کا لیا جاتا ہے اور نہرو کی قدریں بھی اسی تغافل کی نذر نہ ہو جائیں جو گاندھی جی کی قدروں کے ساتھ روا رکھا گیا۔

مثلاً گاندھی جی کی ہر بات کا ذکر ہوتا ہے مگر کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ گاندھی جی نے اردو کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا تھا، کیوں وہ اردو کی بقا کے مسئلے کو قومی ضرورت سمجھتے تھے۔ اردو رسم خط سیکھنا کیوں وہ ضروری خیال کرتے تھے۔ اردو کے سلسلے میں

### اس شمارے میں


| | | | |
|---|---|---|---|
| گاندھی جی اور اردو | ۱ | لیقی نمبر کے لیے | |
| ... | ۲ | مضامین کے حوالے | ۷ |
| خواہشمند طلبہ کے لیے اردو تعلیم کا انتظام پرائمری اسکولوں میں | ۲ | سلام سندیلوی کے اعزاز میں نشست، آنجہانی لکشمی پودھ کے سوگ میں | |
| لطف اللہ بندوی بن احمد معاد | ۳ | بزم فن کار کا جلسہ | ۸ |
| ساز (نظم) | ۵ | سہسرام کے اردو طلبہ کے فیڈریشن کا جلسہ | ۷ |
| یادیں " | ۵ | چیکوسلواکیہ میں شاعروں کا مداح | ۸ |
| قطعات " | ۵ | انجمن دنگلور رفاندیری کا جلسہ | ۸ |
| ایک علمی و ادبی اپیل | ۵ | بابائے اردو مولوی عبدالحق | ۹ |
| اہم ادبی رسالے | ۶ | آنجہانی اردو مرحوم | ۹ |
| انجمن ...س کا جلسہ | ۶ | تبصرے | ۱۲ |
| ادارہ فکر نو اورنگ آباد کے عہدیدار | ۶ | | |

ان کی تحریروں اور بیانات کی کتنی بڑی تعداد ہے۔

کاش گاندھی اور نہرو کا بات بات پر نام لینے والے گاندھی اور نہرو کے نام کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال نہ کریں بلکہ ان کا وطن سے بے پناہ عشق، تمام ہندوستانیوں بلکہ تمام انسانوں سے ان کی محبت، اخلاق کی پاکیزگی، ذہن کی بلندی، رہن سہن کی سادگی، کردار کی مضبوطی اور حق گوئی و بیباکی سیکھیں اور اسے اپنی زندگی کا دستور العمل بنائیں۔ قومی زندگی کے وہ گوشے جو گاندھی اور نہرو کی تعلیم اور ان کے طرز عمل کی پیروی کے خاص طور سے مستحق ہیں ان میں اردو زبان کو اس لیے خصوصیت حاصل ہے کہ یہ قومی یک جہتی کے لیے بہت اہم اور موثر آلہ ہے۔ اردو زبان کے فروغ سے قومی یک جہتی کو فروغ ہوگا اور قومی یک جہتی گاندھی اور نہرو کے خیال کے مطابق آج ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے

## سیر بین

کانفرنس کے سلسلے میں بڑے دلچسپ تجربے ہو رہے ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ جو برسوں سے اردو سے اور اس کے حق سے اور اس سلسلے میں اپنے فرض سے غافل تھے۔ چاہتے ہیں کہ ان کی خدمت میں رعایتی ٹکٹ کے فارم ارسال کر دیا جائے تاکہ کانفرنس میں شرکت بھی ہو جائے اور جے پور کی سیر بھی۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ دو چار فارم زیادہ بھیجیے، کچھ دوستوں کا بھی ارادہ ہو رہا ہے کہ کانفرنس کی بہار دیکھ لیں۔ دوسرے لکھتے ہیں کہ مشاعرے میں بلوائیے اور ایک معقول رقم بطور نذرانہ دلوائیے۔ تیسرے لکھتے ہیں کہ میں ہمیشہ ہوائی جہاز میں سفر کرتا ہوں، آگے آپ جانیں اور آپ کا کام۔ ہمیں "معلوم ہوتا کہ الطاف احمد خیری صاحب کا مضمون دلکش ہے یہ لوگوں کے دل میں اس قدر گدگدی پیدا کر دے گا تو اسے کانفرنس کے بعد چھاپتے۔

---

مشاعروں کی مقبولیت نے کچھ شعرا کو ایسا سخت دل بنا دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ایک گراں قدر نذرانے کی توقع کرتے ہیں۔ بزم ظفر نے گذشتہ سال لال قلعہ میں یوم ظفر منایا تھا اور اس تاریخی موقع پر ایک مشاعرہ بھی ہوا تھا جس میں شرکت کی بعض ممتاز شعرا کو دعوت دی گئی تھی۔ خوشی اس بات پر ہوئی کہ جن حضرات کو مدعو کیا گیا تھا ان میں سے بہت سے صرف آمد و رفت کا کرایہ لے کر شریک ہوئے لیکن چند ایسے بھی تھے جو اس موقع پر بھی اسی قسم کے مطالبے کر رہے تھے جیسے انڈو پاک مشاعروں یا بعض سرمایہ داروں کے مشاعروں پر کیے جاتے ہیں۔ سنا ہے کہ لکھنؤ کے ایک ڈاکٹر تھے، ان کے والد کو ایک دفعہ زکام ہو گیا اور وہ اتفاق سے بیٹے کے مطب میں پہنچ گئے، بیٹے نے نسخہ لکھا، دوا دی ـــــ اور فیس بھی وصول کر لی۔

---

(ROBUST LANGUAGE) کے اردو ترجمے کے سلسلے میں ہمیں بہت سے خط ملے ہیں۔ سخت کلامی، بدکلامی، اجڈ[illegible] ان سب سے مفہوم ایک حد تک ادا ہو جاتا ہے مگر وہ [illegible] والی بات نہیں آتی جو انگریزی الفاظ میں ہے۔

---

آپ نے ہر یونیورسٹی میں پراکٹر اور اس کے بل ڈاگ دیکھے ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ پراکٹر اور بل کا ترجمہ کیا ہو؟ کہیں کوتوال اور اس کے سانڈ نہ کہہ دیجیے گا۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آخر ان الفاظ کے ترجمے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ تو عام فہم ہو گئے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ مگر آخر فن برائے فن بھی تو کوئی چیز ہے اگر ترجمہ کیا جائے تو کیا کیا جائے۔ پراکٹر کے لیے چودھری اور بل کے لیے شترنہ کا لفظ کیسا رہے گا۔ اس کے طفیل اشترا شترمرغ نام کی مثل بھی یاد رہے گی۔ اگر طلسم ہوش ربا سے مدد لی جائے تو ایک اور اچھا لفظ مل سکتا ہے۔ یہ پنجہ ہے۔ افراسیاب کا پنجہ جس سے افراسیاب چاہتا تھا اٹھا لاتا تھا۔ ہمارے خیال میں اسے رائج کرنا چاہیے۔ اس میں ایک ایسی کیفیت ہے جو لفظ بل میں بھی نہیں۔ اگر یہ لفظ بھی پسند نہ ہو تو "پیادے" پر غور کیجیے۔

---

## خواہشمند طلبہ کیلئے اردو تعلیم کا انتظام

## پرائمری اسکولوں میں ہونا چاہیئے

لکھنؤ۔ ۲۲ ستمبر۔ معلوم ہوا ہے کہ آج یوپی کابینہ کی زبان سے متعلق سب کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان تمام اسکولوں کے پرائمری یا جونیئر درجوں میں اردو پڑھانے کا انتظام کیا جانا چاہیے۔ جہاں اردو پڑھنے کے خواہشمند طالب علم کسی ایک درجہ میں دس یا کسی اسکول میں چالیس ہوں۔

پتہ چلا ہے کہ چار افراد پر مشتمل سب کمیٹی نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ ان درجوں کی درسی کتابیں عام طور پر بولی جانے والی آسان زبان میں ہونی چاہیے۔

(سیاست جدید۔ کانپور)

شیخ فرید

## لطف اللہ مہندس بن احمد معمار

۸ ستمبر ۹۲ کے ہماری زبان میں جناب بیکس اکبر آبادی صاحب کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے۔ اس میں لطف اللہ مہندس بن احمد معمار کے علاوہ لطف اللہ بن احمد المعروف بہ شاہ ہلال کا بھی ذکر ہے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ شاہجہاں کے عہد کے مشہور عمارت گر احمد معمار کے تین لڑکے تھے

۱۔ عطاء اللہ ــــ نادر العصر

۲۔ لطف اللہ ــــ مہندس

۳۔ نور اللہ ــــ معمار

لطف اللہ کے دو لڑکے تھے ــــ

۱۔ امام الدین الریاضی

۲۔ ابو الخیر خیر اللہ مہندس

نور اللہ کے لڑکے شاہ کلیم اللہؒ دہلوی تھے۔ محمد علی ریاضی لطف اللہ کا نواسہ تھا۔

تاج محل کی تکمیل کے بعد احمد معمار لطف اللہ شاہجہاں آباد دہلی کی تعمیر میں مصروف ہو گئے قلعہ معلیٰ ۱۰۴۸ھ ۔ ت شروع ہو کر ۱۰۵۸ھ میں مکمل ہوا۔ تاج محل ۱۰۵۰ھ میں مکمل ہو چکا تھا۔ ۱۰۵۹ھ میں احمد معمار کا انتقال ہوا۔

در زمان سعید شاہ جہاں
شاہ عالم پناہ جسم مقدار
نادر العصر رفت و گفت خرد
"شد بفردوس احمد معمار"

احمد معمار کے خاندان کے افراد آگرہ سے منتقل ہو کر دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ مولانا سلیمان ندوی نے محمد علی ریاضی کو "احمد معمار کے سلسلۂ نسل کی آخری کڑی کہا ہے" (معارف نمبر ۴ جلد ۲۷ صفحہ ۲۵۸)

شاہ کلیم اللہؒ دہلوی اس خاندان کی زبردست شخصیت تھے۔ ان کے چار لڑکے تھے۔ خواجہ محمد، خالد سعید، احمد فضل اللہ محمد احسان اللہ خواجہ محمد کا انتقال ان کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۰ھ میں شاہ صاحب کا وصال ہوا۔ ان کو اپنی حویلی میں دفن کیا گیا جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھی۔

اس خاندان کے افراد شاہ صاحبؒ کے مزار کے آس پاس آباد تھے۔ غدر میں اس علاقہ کی تباہی کا ذکر غالب نے یوں کیا ہے۔

"شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا مقبرہ اجڑ گیا۔ ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے ......... وہاں کے رہنے والے اگر گولیوں سے بچے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہوگا کہ کہاں ہیں"

(اردوئے معلیٰ حصہ اول)

لطف اللہ مہندس ...... لطف اللہ کا لقب اور تخلص مہندس تھا۔

لقب ــ گرچہ مہندس لقبم از شہ است
نام من دل شدہ لطف اللہ است

---

گرچہ مرا ہست مہندس لقب
ہندسہ زاں ہر سہ برادر طلب

تخلص

سفینۂ خوشگو میں لطف اللہ کے لڑکے امام الدین الریاضی کے ترجمہ میں لکھا ہے۔

"مولوی امام الدین ریاضی تخلص خلف ملا لطف اللہ مہندس تخلص لاہوری نسبت"

(معارف نمبر ۴ جلد ۲۷)

"احمد شاہ فاروقی ندوی نے تذکرہ مخزن الغرائب میں لکھا ہے ...... امام الدین ریاضی اصل وطن ایشاں بلدۂ لاہور است ...... توطن در دہلی اختیار کردہ پدرش مولوی لطف اللہ مہندس بودہ است۔ ایشاں ہم بہ تخلص اشعار میل تمام داشتند و مہندس تخلص می کردند"

(معارف نمبر ۴ جلد ۲۷)

معارف مذکور کے حوالے سے ہمیشہ بہار (کشن چند اخلاص) کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"والد شریف ایشاں (امام الدین ریاضی) مولوی لطف اللہ مہندس کہ ایشاں ہم گاہ گاہے میل بشعر می کردند مہندس تخلص می فرمودند"

تاریخ کل (ماہ ادب جنوری ۹۴ صفحہ ......) یہ رقم یوں ہو بیٹھا ہے کہ دیوان مہندس میری نظر سے نہیں گزرا ...... اشعار ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنے سے قاصر ہوں۔

لطف اللہ مہندس کی فارسی نثر و نظم کی ذیل کی تصانیف راقم کے علم میں

۱۔ ...... عروض ۴۔ تذکرہ آسمان سخن

۲۔ رسالہ خواص اعداد ۵۔ دیوان مہندس

۳۔ شرح خلاصۃ الحساب ۶۔ سحر حلال

۷۔ منتخب الحساب

منتخب الحساب کا سن تالیف ۱۰۹۳ھ ہے گویا مہندس ۹۳ تک بقید حیات تھے۔

(معارف نمبر ۴ جلد ۲۷ صفحہ ۲۵۸)

لطف اللہ مہندس کے دو لڑکے تھے۔

(۱) امام الدین ریاضی (۲) خیر اللہ۔

امام الدین ریاضی ریاضیات کے زبردست عالم اور شاعر تھے ریاضی تخلص کرتے تھے۔ ان کے حالات کے لئے سفینۂ خوشگو (نشتر عشق حسین قلی خاں عظیم آبادی)، ہمیشہ بہار (کشن چند اخلاص) مخزن الغرائب (احمد علی خاں سندیلوی)، تذکرہ صبح گلشن اور تاریخ علمائے ہند وغیرہ ملاحظہ کیجئے۔

ریاضیات کے درس و تدریس کے ہندسی پیشہ میں مصروف رہنے کی وجہ سے شعر کہنے کے لئے ان کو وقت کم ملتا تھا۔ ریاضی کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں۔

۱- تقریب تشریح الافلاک ۲- حاشیہ بر شرح خلاصۃ الحساب
۳- حاشیہ بر شرح چغمینی ۴- بیانیہ

خیر اللہ مہندس — لطف اللہ مہندس کا دوسرا لڑکا ابو الخیر معروف بہ خیر اللہ الملقب بہ خیر اللہ خاں المتخلص بالمہندس ہے۔ ملاحظہ کیجئے تقریب التحریر کا آغاز و خاتمہ۔ قلمی نسخے علی گڑھ، دیانگی پور، معارف اپریل ۱۹۳۶]

خیر اللہ علم ہندسہ اور ہیئت میں یگانۂ روزگار تھا۔ محمد شاہ کے زمانے میں راجہ جے سنگھ نے دہلی، جے پور، بنارس اور اجین میں جو رصد خانے قائم کئے تھے، وہ ان کے بانی اور نگران تھے۔ دہلی میں رصد خانہ کی نگرانی کے علاوہ ریاضیات کا درس بھی دیا کرتے تھے۔

ان کی حسب ذیل تصانیف ہیں

(۱) تقریب التحریر
(۲) تقریر التحریر
(۳) حاشیہ بر شرح بیست باب در معرفت اسطرلاب
(۴) شرح زیچ محمد شاہی
(۵) شرح زلالی
(۶) شرح حافظ
(۷) شرح سکندر نامہ

خیر اللہ کے لڑکے محمد علی ریاضی نے اپنے باپ کی کتاب تقریب التحریر کی وضاحت کیا تھا۔

غدر میں احمد معمار کے خاندان کی تباہی و بربادی کا ذکر غالب کی زبانی بیان کیا جا چکا ہے۔

لطف اللہ بن احمد شاہ عادلؒ کے متعلق راقم کی معلومات صرف اس مراسلہ تک محدود ہیں۔ اس سے ذیل کی باتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) قرآن کی سورتوں کے خواص کے بیان میں شاہ عادلؒ کی منظوم تصنیف سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کا نام لطف اللہ۔ والد کا نام احمد اور تخلص عادل ہے۔

۲- نام کی رعایت سے ظاہر ہے کہ شاہ عادلؒ خانقاہ نشین بزرگ صوفی تھے۔ قرآن و حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔

لطف اللہ مہندس بن احمد معمار دہلی میں مقیم تھے اور ریاضی کا درس دیا کرتے تھے۔

۳- شاہ عادلؒ کے کوئی اولاد نہ تھی۔

لطف اللہ مہندس کے دو لڑکوں اور ان کی ذہنی تخلیقات کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے۔

۴- سید احمد اللہ شاہ قادریؒ شاہ عادلؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان کا وصال ۱۲۱۶ھ میں ہوا۔

۵- روایات کی رو سے سید احمد اللہ شاہؒ کے پوتے سید منور علی شاہ کی پیدائش کا سن ۱۰۹۰ھ قرار دیا گیا ہے۔ سید شاہؒ کے وصال کے وقت ان کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ اس طرح ان کا سن وفات ۱۱۱۶ھ ہوتا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اس وقت سید منور علی شاہ کی عمر ایک سو چھبیس سال کی تھی؟

لطف اللہ مہندس بن احمد معمار کے متعلق راقم السطور نے جو شواہد پیش کئے ہیں ان کی روشنی میں یہ ظاہر ہے۔ کہ مہندس اور شاہ عادلؒ دو مختلف ہستیاں ہیں۔

مراسلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ شاہ عادلؒ (جن کے کوئی اولاد نہ تھی)، وہی لطف اللہ بن احمد ہیں۔ جن کا تخلص مہندس ہے۔

اس امر کی تحقیق کتاب منظوم کی داخلی شہادتوں کے تجزیہ کے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔

## ہماری زبان کا کانفرنس نمبر

ہماری زبان کا ۱۵ر اکتوبر کا شمارہ کانفرنس نمبر ہوگا۔ جس کے صفحے ۲۴ سے کم نہ ہوں گے اس شمارے میں ۲، ۳، ۴ر اکتوبر کو جے پور میں ہونے والی کل ہند اردو کانفرنس کی مفصل کارروائی پیش کی جائے گی۔

۸ر اکتوبر کا ہماری زبان شائع نہ ہوگا۔

منیجر

اختر نظمی

## ساز

سازِ بیدار ہوا آخرِ شب
جھوم اٹھی ہے فضا آخرِ شب

ساز کے تار ہیں لرزاں لرزاں
جیسے احساس کی نازک لہریں
گدگدا کر مری تنہائی کو
کہیں چھپ جاتی ہیں کھو جاتی ہیں

ساز کی لے ہے کہ نغموں کا چراغ
جس کی نورہ کی تاریکی میں
سیکڑوں شمعیں فروزاں کر کے

خود بکھر جاتی ہے خوشبو کی طرح
رات کے عنبریں گیسو کی طرح

رحمن جامی

## یادیں

شبنم سے آنسوؤں کی
دھل کر مرے نفس کے
غنچے چٹک گئے ہیں!
اور پھول زخم دل کے
یادوں کے خار بن کر
دل میں کھٹک گئے ہیں

فرقت میں تیری اکثر
یوں آنسوؤں سے دھل کر
شاداب ہو گیا ہے
یادوں کا مشترک منظر

شمسی طہرانی

## قطعات

سوچتا ہوں کہ تجھے اپنا بنا لوں کیونکر ... جانتا ہوں اسی دھن میں کبھی کھو جانا ہے
رقص کرتا ہے جو راتوں میں تصور تیرا ... تیری یادوں کے حسین شہر میں کھو جاتا ہوں
یاد کر وہ شب بے تاب کا رنگیں منظر ... تو نے مستی کے جہاں پہلے پہل دکھلائے تھے
شدت شوق میں خود تو نے اٹھا دی تھی نقاب ... اور پھر بعد زمانہ کبھی کوئی یاد نہ تھا

## ایک علمی و ادبی اپیل

ایک مکمل علمی ادبی مرکزی کتب خانے کا قیام کسی ایک شخص یا ادارہ کے بس کی بات نہیں ہے اس وقت دنیا میں جتنے مشہور کتب خانے ہیں وہ متعدد علم دوست اصحاب کی برسوں کی کوششوں اور عطیوں کا نتیجہ ہیں پھر یہ کتب خانے برسوں سے قائم ہیں اس لئے ان کے یہاں پرانی مطبوعہ کتابیں بھی مل جاتی ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی زندگی کا آغاز ہوا تو اس کے پاس ایک کتاب بھی نہیں تھی۔ انجمن اسلام کے ارباب حل و عقد نے کریمی لائبریری کو ادارہ کے حوالے کر کے بنیادی کتب خانہ قائم کرنے کا موقع دیا۔ اس کے بعد حکومت کی عارضی امداد سے کتابوں کی خریداری شروع ہوئی لیکن اوس کے قطرے پیاس نہیں بجھا سکتے، اس لئے انجمن نے کتابوں کے لئے ہزار روپیہ سالانہ کی رقم منظور کی، لیکن وہ بھی دریا میں قطرہ ہے۔ بمبئی یونیورسٹی نے اپنی صد سالہ جوبلی کے موقع پر پانچ ہزار روپے کتابوں کے لئے عطا کئے۔ اس کے بعد بعض علم دوست بزرگوں کی طرف متوجہ ہونا پڑا چنانچہ ڈاکٹر حفیظ سید مرحوم نے دو ہزار روپے عطا کئے۔ اس کے بعد بعض کتابیں نوائے ادب میں تبصرے کے لئے آنے لگیں، بعض اداروں سے تصانیف کے تبادلے کا سلسلہ شروع کیا گیا، لیکن ایک تحقیقاتی مرکز کے لئے جس وسیع کتب خانے کی ضرورت ہے اس کا ہمارے پاس عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ اس کی کو پورا کرنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ علم دوست احباب اپنا کتب خانہ یا اس کا کوئی حصہ ادارہ کو عنایت فرمادیں اس سے شاید کتب خانے کی توسیع و تکمیل میں کچھ مدد ملے چنانچہ اس خیال کے پیش نظر ہم نے اپنے بعض احباب سے تذکرہ کیا۔ جناب آغا جانی کشمیری اور ان کی رفیقۂ حیات محترمہ خورشید بیگم صاحبہ نے اپنا کتب خانہ ادارہ کو عنایت فرمادیا۔ حال ہی میں بمبئی کے علم دوست تاجر جناب حاجی نور محمد صاحب نے بھی بعض کتابیں اور رسالے عنایت فرمائے ہیں جناب سعید انیس صاحب بھی اس سلسلہ میں کوشاں ہیں۔ ہم ان کے ممنون ہیں ان معزز بزرگوں سے جو اردو کے تحقیقاتی کاموں کی اہمیت و ضرورت کو سمجھتے ہیں یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس طرف توجہ فرمائیں اور اپنے ذخیروں سے جو کچھ بھی عنایت فرما سکتے ہیں ادارہ کو مرحمت فرمائیں کہ اس میں کسی خاص موضوع یا فن کی قید نہیں ہے حتی کہ پرانے اخبارات و رسائل بھی اس کا اہم جزو ہیں۔ ہم کو یقین ہے کہ ہمیں اس سلسلے میں ناامید نہیں ہونا پڑے گا۔

مزید معلومات کے لئے ڈائرکٹر سے رجوع کیا جا سکتا ہے

نجیب اشرف ندوی
ڈائرکٹر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱

عابد رضا بیدار

# اہم ادبی رسالے

معلومات:-

لکھنؤ کا یہ ماہنامہ جو غالباً جولائی ۱۹۱۴ء سے نکلنا شروع ہوا اس کے مالک اور ایڈیٹر دانی تھے اور لکھنے والے چودھری محمد علی اشرف، مبیوق، نیر ذوالدین مراد اور خود، بلکہ زیادہ تر ایڈیٹر۔ ایڈیٹر کے ناول "جمیلہ کی ناکامیابی" کی حسرت نے بے حد تعریف کی۔ جنوری تا جون ۱۹۱۵ء کے شمارے ہمارے پیش نظر ہیں۔

"باپ اور بیٹا" پر شرو کا طویل مضمون غالباً جنوری ۱۵ء سے پہلے سے چل رہا ہے اسی ذیل میں اپریل کے نمبر میں "قرۃ العین ذوالاشہید" مضمون نکلا۔

مارچ ۱۹۱۵ء کے نمبر میں "نئے اخبارات و رسائل" کے عنوان سے حسرت کے سہ ماہی "تذکرۃ الشعرا" کا ذکر ہے اور پھر علی گڑھ کے "المیزان" کا

المیزان، علی گڑھ۔

یہ ایک اخبار ہے جو علیگڈھ سے جاری ہوا ہے اور ہفتہ میں دو بار نکلتا ہے کہا جاتا ہے کہ جو زہر ہمدرد نے مسلمانوں میں پھیلایا ہے اس کے واسطے یہ تریاق ہے۔ یہ دیکھکر کہ مسلمان گمراہ ہوئے جاتے ہیں المیزان وجود میں آیا اور فوراً اپنا کام شروع کر دیا یعنی مظہر الحق سے اسی ہزار روپے اگلوا لئے۔ اگر اس سے ذرا بھی چوک ہو جاتی تو روپے ہضم ہی ہو گئے تھے۔

"جو روش اس اخبار کے جاری کرنے کی محرک ہوئی وہ یقیناً زیادہ پسندیدہ تھی لیکن یہ بات کہ نکتہ چینوں کی بھی نکتہ چینی کی جائے اور ان کے نقائص بھی دکھائے جائیں ایک ضروری کام ہے......

پرچہ ہمارے خیال میں بہت دلچسپ ہوتا ہے، ایک چیز کی کمی ہمیں اس میں نظر آئی ہے اور یہ وہ کمی ہے جو اس کے مد مقابل ہمدرد میں بھی ہے یعنی بردباری...... جریدہ نگاری ایک اہم ذمہ داری ہے، نفس کشی پہلا سبق ہے جو اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے حاصل کرنا چاہیے غیظ و غضب کی تو اس میں گنجائش سرے سے ہے ہی نہیں......

ہمارے خیال میں اس وقت اردو میں دو پرچے ہیں جن سے ہر اخبار پرچہ سبق حاصل کر سکتا ہے۔ ہمارا اشارہ عصر جدید اور وکیل کی طرف ہے مختصر یہ ہے کہ المیزان کی پالیٹکس سے ہم کو گو اختلاف ہے لیکن ہم اس کو ایک عمدہ پرچہ سمجھتے ہیں......"

چودھری محمد علی ردولوی کا خط۔

فروری یا جنوری کے شمارے میں "اکبر کا کلام" کے عنوان سے چودھری محمد علی نے اکبر کی زبان سے جو شعر سنے وہ نقل کئے ہیں اور اس سے پہلے ایک خط لکھا ہے۔

"مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب"

"کرسمس کی تعطیل میں کرایہ نصف ہوتا ہے سفر آسان معلوم ہوا ہے حضرت مبیوق اور ایک تحصیلدار کی معیت سے الٰہ آباد گیا۔ گو کہ موجودہ ایجی ٹیشن تھا مگر بقول حاجیوں کے اس قدر سستا کرایہ کہاں ملتا! بہرحال الہ آباد پہنچا امرود تو کھائے مگر اکبر حسین صاحب کی زیارت کے بغیر حج الہ آباد کیونکر پورا ہوتا۔ عدیم الفرصت تھے، آلام و مصائب جسمانی و روحانی بھی لاحق تھے مگر پرانے اخلاق کے حامی نے گوارا نہ کیا کہ شائقین زیارت محروم جائیں۔ باہر تشریف لائے اور بہت دیر تک اخلاق فرماتے رہے۔ دبی زبان سے عرض کیا گیا کہ اگر کچھ اپنی زبان سے ارشاد فرمائیے تو باعث ناز ہو۔ یہ زحمت بھی جناب محتشم الیہ نے قبول کی۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے وقت میں ہم لوگ معلومات کو کیونکر بھول سکتے تھے جسارت کر کے اجازت لی اور جو کچھ معلومات کی قسمت کا تھا وہ ہاتھ آیا۔ بہت سے اشعار قلمبند ہو سکے ان کو تحویل حافظہ میں رکھنے کی کوشش کی لیکن ؎

مگر زمیں را بہ آسماں دوزی — نہ دہندت زیادہ از روزی

(چودھری محمد علی (تعلقہ دار امیر پور، ردولی)

اس کے بعد اکبر کے بہت سے شعر نقل کئے ہیں۔

## انجمن روہتاس کا جلسہ

۱۲ ستمبر کو ایک احتجاجی جلسہ زیر اہتمام انجمن ترقی اردو شاخ روہتاس شاہ آباد زیر صدارت مولانا عبد السلام صاحب صدیقی ہوا جس میں بالاتفاق یہ تجاویز عمل میں آئیں،

۱۔ یہ جلسہ مگدھ یونیورسٹی کے جاری کردہ اس سرکلر کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے جس کی رو سے ۱۹۶۵ء سے یونیورسٹی مذکور کے تمام امتحانات ہندی اور دیوناگری رسم الخط میں ہوں گے۔

۲۔ یہ جلسہ اس سرکلر کو ہندوستانی شہری کے لسانی حقوق پر ایک ضرب کاری سمجھتا ہے، اور خصوصاً بہار کے اردو داں طبقہ کے لئے انتہائی غیر منصفانہ قرار دیتا ہے۔

۳۔ یہ جلسہ یونیورسٹی مذکور کے وائس چانسلر اور دوسرے متعلقین حضرات سے اور محترم وزیر تعلیم سے پر زور اپیل کرتا ہے کہ جلد سے جلد اپنے جاری کردہ سرکلر پر نظر ثانی کریں، اور غیر ہندی داں طبقہ کے جائز مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے ان کا بنیادی حق انھیں واپس لوٹا دیں۔

(جلال الدین خاں، ناظم نشر و اشاعت)

## ادارۂ فکر نو، اورنگ آباد کے عہدیدار

اورنگ آباد (گیا) بتاریخ ۸ ستمبر ۱۹۶۴ء بوقت سات بجے شام بمقام اردو لائبریری ادارۂ فکر نو کا ایک غیر معمولی مشاورتی

جلسہ زیر صدارت مولانا سید عبدالرؤف صاحب منعقد ہوا، جس میں مندرجہ ذیل حضرات بہ اتفاق رائے ادارے کے عہدیداران منتخب ہوئے

۱۔ صدر۔ جناب پروفیسر سید ظہیر حسن صاحب ایم۔ اے (صدر شعبۂ اردو ایس سنہا کالج)

۲۔ معتمد اعلیٰ۔ جناب علی حیدر ملک ایم۔ اے

بعد ازاں صدر اور معتمد اعلیٰ نے جناب تبسم شفائی صاحب کو معاون معتمد اور درج ذیل حضرات کو مجلس مشاورت کے ارکان کی حیثیت سے نامزد کیا:

۱۔ جناب مولانا سید عبدالرؤف (۲) جناب مولانا لطافت حسین شمسی (۳) جناب پروفیسر سید شاہ شہاب احمد صاحب (۴)۔ جناب سید نظام الدین قادری صاحب (۵) جناب ظہیر حسن خاں صاحب (۶) جناب قیوم ذکی صاحب (تبسم شفائی)

## فیض نمبر کے لئے مضامین کے حوالے

ماہنامہ "افکار" کراچی "جوش نمبر" کی طرح "فیض نمبر" میں بھی طلباء اور طالبانِ ادب کی آئندہ رہبری کے جذبے سے فیض احمد فیض کی زندگی، شخصیت اور فن پر اب تک شائع شدہ جملہ مضامین کی فہرست "کتابیات" کے لئے مرتب کر رہا ہے۔ اہل علم اور فیض کے احباب، فیض پر شائع شدہ مضامین کی تفصیل مدیر "افکار" رابسن روڈ کراچی کو بھیج دیں۔ کتابیات کے لئے صاحب مضمون، عنوان مضمون، رسالہ یا کتاب کا نام مع تاریخ، شمارہ و سن اشاعت درکار ہے۔ اس کے علاوہ جن احباب کے پاس فیض کے نجی خطوط اور تصاویر محفوظ ہوں وہ خطوط و تصاویر برائے اشاعت بھیج دیں۔ اشاعت کے بعد یہ چیزیں واپس کر دی جائیں گی۔

## سلام سندیلوی کے اعزاز میں نشست

ڈاکٹر سلام سندیلوی کے اعزاز میں مرکز ادب گورکھپور کی ایک خصوصی نشست بھارتی پرکاشن کے ہال میں منعقد ہوئی۔ افسانہ نگار ایم کوثر شیادی راہی نے اسٹیج سکریٹری کے فرائض انجام دیئے۔ راہی صاحب نے موصوف کو ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کرنے پر اپنی نیز اراکین مرکز ادب کی جانب سے دلی مبارکباد دی۔ جعفر لاری اور ملک زادہ منظور احمد نے ڈاکٹر سلام کی شخصیت اور ان کی ادبی خدمات پر تقریریں کیں جواب میں سلام صاحب نے مرکز ادب گورکھپور کے متعلق اپنے تاثرات بیان کئے اور اس نشست کے انعقاد کو اراکین مرکز ادب کے خلوص پر محمول فرمایا، اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد ہندی کے ادیبوں شری اشتی ترپاٹھی، مالک بھارتی پرکاشن اور شری سیتارام ورما نے ہندی کے ادیبوں اور شاعروں کی طرف سے ان کا سواگت کیا۔ اور انہیں ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ چائے کے وقفہ کے بعد مشاعرہ ہوا۔

(ناظم شعبۂ نشر و اشاعت)

## آنجہانی مکتی بودھ کے سوگ میں بزم فنکار کا جلسہ

۱۳ ستمبر بھوپال۔ ہندی کے عظیم شاعر اور ناقد جناب مکتی بودھ کے طویل علالت کے بعد انتقال کی وجہ سے بزم فنکار کی پندرہ روزہ نشست ملتوی کر دی گئی اور مرحوم کے سوگ میں تعزیتی جلسہ برٹش ہاؤس میں زیر صدارت جناب اختر سعید منعقد کیا گیا۔ حاضرین جلسہ نے تعزیتی تجویز دو منٹ خاموش کھڑے رہ کر منظور کی۔

جناب شرد جوشی۔ سوم دت گرگ اور فضل تابش نے شری مکتی بودھ کی ڈائری کا ایک باب اور دو نظمیں پڑھ کر سنائیں اور ان کے فن اور شخصیت پر روشنی ڈالی۔

صدر مجلس جناب اختر سعید نے مکتی بودھ کی موت کو ایک عظیم انسان دوست شاعر اور ناقد کا نقصان کہتے ہوئے ان کی نظم "چمبل کی گھاٹی" پر اظہار خیال فرمایا

(فضل تابش)

## سہسرام کے اردو طلباء کے فیڈریشن کا جلسہ

سہسرام اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب افسر عبدالسلام صاحب بتاریخ ۲۳ ستمبر ۱۹۶۴ء منعقد ہوا، مندرجہ ذیل تجاویز بالاتفاق منظور کی گئیں۔

سہسرام کے اردو خواں طلباء کا یہ جلسہ مگدھ یونیورسٹی کے اس فیصلے کو کہ پوری یونیورسٹی اور دوسرے کلاسوں کے امتحانات کے جوابات صرف ہندی زبان "دیوناگری رسم الخط" میں دیئے جائیں تشویش اور ناپسند کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اس جلسے کے خیال میں یونیورسٹی کا یہ فیصلہ نہ صرف اقلیتوں کے حقوق پر دست اندازی کے مرادف ہے بلکہ دستور کے مقصد کے منافی ہے اور اس کی روح کو مجروح کرتا ہے لسانی اور ثقافتی اقلیتوں کو اپنی زبان اور ثقافت کے تحفظ کے جو حقوق حاصل ہیں اور دستور جن کی ضمانت دیتا ہے یہ فیصلہ براہ راست ان کی نفی کرتا ہے یہ فیصلہ لسانی جارحیت کی سمت ایک قدم ہے اور اقلیت کی زبان پر ایک ضرب کاری۔

اس لئے یہ جلسہ غیر مبہم صاف اور پرزور الفاظ میں مطالبہ کرتا ہے کہ یونیورسٹی بلا شرط اپنے اس فیصلے کو واپس لے اور پھر اسے نافذ کر کے اقلیتوں کے حقوق تلف نہ کرے۔

یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ مندرجہ بالا تجویز کی نقول، وائس چانسلر مگدھ یونیورسٹی، چیف منسٹر بہار، وزیر تعلیم صوبہ بہار، چیرمین اکیڈمک کاؤنسل، پرنسپل، ایس۔ پی۔ جین کالج سہسرام اور سکریٹری ریاستی انجمن ترقی اردو کو بھیجی جائیں۔

(مظہر علی جنرل سکریٹری اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن سہسرام)

پروانہ رودولوی

## چیکوسلواکیہ میں مشاعروں کا رواج

ہندوستان کے کویوں اور شاعروں کو اس بات پر فخر ہے کہ ان کی تخلیقات کو کوی سمیلنوں اور مشاعروں میں لوگ ہزاروں کی تعداد میں سنتے ہیں اور بر جستہ داد دیتے ہیں۔ شاید چیکوسلواکیہ کو چھوڑ کر دنیا کے کسی بھی ملک کے ادب کو یہ خصوصیت نہیں حاصل ہے کہ اس کے کویوں اور شاعروں کی اس طرح حوصلہ افزائی ہو جس طرح اردو اور ہندی کے شاعروں کی کوی سمیلنوں اور مشاعروں میں ہوتی ہے۔ دراصل مشاعروں اور کوی سمیلنوں کے ذریعہ شعرا اپنے عوام سے براہ راست تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اپنی تخلیقات کے متعلق عوامی تاثرات کا موقع ہی پر جائزہ لیتے ہیں اور اپنی غزلوں، نظموں اور گیتوں کو ایک ہی وقت میں ہزاروں اور اکثر لاکھوں لوگوں کو سنا کر ان سے خراج عقیدت حاصل کرتے ہیں۔ چیکوسلواکیہ میں کچھ منچلے نوجوانوں نے کوی سمیلنوں اور مشاعروں کی طرح کی نشستوں کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ چیکوسلواکیہ میں اس دلچسپ ادبی تجربہ کا خالق ایک نوجوان جیری اوسٹرمین ہے۔ جیری اور اس کے چند ہم خیال ساتھیوں نے سب سے پہلے پراگ کے ایک ہوٹل وائیولا میں یہ تجربہ کیا تھا اور رفتہ رفتہ اب وائیولا نوجوانوں بالخصوص طلبا کی ادبی سرگرمیوں اور دلچسپیوں کا مرکز بن گیا ہے۔ یہاں بے تکلفی کے ماحول میں لوگ نئی نسل کے شاعروں کی تخلیقات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وائیولا کی محفلوں میں شریک ہونے والے لوگوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ وہ چاہے جس لباس میں آئیں۔ چاہے جو کچھ بھی کھائیں اور چاہے جو کچھ بھی بطور مشروب استعمال کریں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے اور یہی آزادی ان محفلوں کی کامیابی کی ضامن ہے۔

جیری اوسٹرمین ہر نوجوان شاعر کی ہمت افزائی کرتا ہے اور اس کے لئے اپنی تخلیقات کو پڑھنے اور داد حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ وائیولا کی ان محفلوں میں پڑھی جانے والی نظموں میں جنگ کے خلاف نفرت، ماضی کے واقعات سے عبرت اور مستقبل کو سنوارنے کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ شعرا اس طرح اپنا کلام پڑھتے ہیں جیسے فی البدیہہ شاعری کر رہے ہوں۔

جس طرح ہندوستان کے مشاعروں میں شاعروں کے اچھے اشعار کی تعریف تالیاں بجا کر اور مخصوص نعروں کے ذریعہ کی جاتی ہے اسی طرح وائیولا کی محفلوں میں بھی شاعروں کے کلام کی تعریف کی جاتی ہے اور ان محفلوں کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بہت سے دوسرے شہروں کے ہوٹلوں کے منتظمین اسی طرح کی ادبی محفلوں کا اہتمام کرنے لگے ہیں۔ وہ دن دور نہیں ہے جب ان محفلوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے گا۔ ان مشاعروں میں شعرا اپنا کلام تحت اللفظ بھی سناتے ہیں اور ترنم میں بھی اور کچھ شعرا اپنا کلام سناتے وقت ساز بھی بجاتے ہیں۔

## انجمن دیگلور (ناندیر) کا جلسہ

آج بتاریخ ۲۳ اگست ۱۹۶۴ء بوقت ساڑھے پانچ بجے شام انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دیگلور کے جلسہ کا آغاز ہوا۔ میٹنگ کی صدارت شری گرشنا راؤ صاحب دیش پانڈے نے کی۔

۱۔ جلسہ کے آغاز میں پنڈت جواہر لال نہرو کے انتقال پر اظہار رنج و غم ہوا اس کے بعد مندرجہ ذیل قراردادیں منظور ہوئیں۔

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دیگلور کا یہ جلسہ مادر ہند کے مایہ ناز سپوت عظیم قائد و محبوب وزیر اعظم شری جواہر لال آنجہانی کے انتقال پر ملال پر اپنے گہرے رنج و الم کا اظہار کرتا ہے۔ آنجہانی کے انتقال سے ہمارے ملک کا اور عالمی امن کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ ہم ایشور سے پرارتھنا کرتے ہیں کہ آنجہانی جواہر لال نہرو کی روح کو شانتی عطا کرے اور ان کے اہل ملک اور اہل خاندان کو اس المناک سانحہ کو برداشت کرنے کی قوت عطا کرے۔

۲۔ شری شیو رام صاحب رکن انجمن و شری شیام گنول صاحب مولوی محمد شوکت صاحب کی موصولہ قرارداد مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۶۴ء پر غور کیا گیا۔ باتفاق رائے طے کیا گیا کہ انجمن کی رکنیت سازی کا کام فوری شروع کر دیا جائے اور جملہ اراکین حتی الامکان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اراکین بنانے کی کوشش کریں۔ انجمن کی شاخ دیگلور کے انتخابات ۱۰ جنوری ۱۹۶۵ء میں منعقد کیا جانا باتفاق رائے طے کیا گیا۔

۳۔ حکومت اور کلکٹر ناندیر سے حال ہی میں جو احکام اردو زبان کے متعلق مختلف دفاتر کو اجرا کئے گئے ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ اردو زبان کی درخواستوں کو قبول نہ کرنے کے بارے میں یہ احکام خاص طور پر دئے گئے ہیں۔ اردو زبان دستور ہند کی مانی ہوئی ۱۴ مسلمہ زبانوں میں سے ایک ہے۔ ایسی صورت میں اس قسم کے انتظامی احکام جن کی رو سے اردو کا استعمال دفاتر میں بند کیا گیا ہے اردو داں طبقہ کے لئے نہایت ہی مشکلات اور پریشانی کا باعث ہے لہذا اس جلسہ کی رائے یہ ہے کہ اس سلسلے میں ضروری کارروائی کی جانی چاہئے۔ باتفاق آرا اس خصوص میں یہ طے کیا گیا کہ ان احکام کے متعلق انجمن ترقی اردو کے صدر دفتر سے مراسلت کی جائے اور وہاں کی توجہ اس مسئلہ کی طرف منعطف کرائی جائے اور انجمن شاخ ہذا کا ایک وفد کلکٹر صاحب ناندیر سے مل کر ان امور کو پیش کرے۔ وفد میں یہ حضرات ہوں گے شری گرشنا راؤ دیش پانڈے، ... شری عبد الصمد خان صاحب دیگلوری، شری جوش صاحب، شری [illegible]، شری محمود حسن [illegible] اور شری مرزا اسد اللہ بیگ۔ یہ وفد ختم ۳۰ اگست ۱۹۶۴ء

پیشتر ناظمیر جاکر کلکٹر صاحب سے ملاقات کریگا۔

۴۔ مدرسہ نسواں "اردو ساتویں جماعت" قائم کرنے کے تعلق سے بھی کوشش کی جائے۔ مندرجہ بالا وفد ناظمیر جاکر مہتمم صاحب تعلیمات سے ملاقات کرے گا۔ علاوہ ازیں ضلع پربھنی وغیرہ میں بھی کوشش کرکے ساتویں اردو جماعت کے قیام کے لئے کوشش کرنا باتفاق آرا طے کیا گیا۔

۵۔ شری شیام کنول صاحب بطور اسسٹنٹ سکریٹری کام انجام دیں گے باتفاق رائے طے کیا گیا۔

۶۔ حاضرین کا شکریہ ادا کئے جانے کے بعد میٹنگ برخاست کی گئی۔

سکریٹری

## بابائے اردو مولوی عبدالحق

"بزم اردو ادب" مدے پہال (بیجاپور) کے زیر اہتمام ۲۶ ستمبر کو انجمن ہائی اسکول میں ایک محفل "بابائے اردو کی تیسری برسی" کے سلسلہ میں منعقد کی گئی جس کی صدارت جناب حسین ہاشم نے کی۔

اس جلسہ میں معزز شہریان مدے بہال اور طلباء کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ جلسہ کا آغاز بزم کی گزشتہ رپورٹ سے ہوا۔

اس کے بعد انجمن ہائی اسکول کے طلباء نے بابائے اردو پر تقریریں کیں۔ اس کے علاوہ جناب عبدالواحد صاحب، راج محمد صاحب، م۔ ابوبکر صاحب اور ریم۔ کے کرجگی صاحب نے بابائے اردو پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس جلسہ میں سب سے زیادہ قابل سماعت تقریر جناب ہاشم صاحب کی تھی جنہیں بابائے اردو سے ۱۹۳۵ء میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ صدر بزم جناب عبدالحمید شکریہ کے بعد ختم ہوئی۔

سکریٹری



## مراسلات

# آنجہانی اور مرحوم

### (۱)

پہلی ستمبر ۱۹۶۲ء کے "ہماری زبان" میں ڈاکٹر گیان چند صاحب نے جو استفسار کیا ہے اس کے جواب میں "سماج سازی اور زبان و ادب" نامی اپنے ہی مقالے سے اپنا اقتباس روانہ کررہا ہوں جو سات آٹھ برس پہلے رسالہ "اردو ادب" ہی میں شایع ہوا تھا۔

"موت سے زیادہ عام اور کیا حقیقت ہوسکتی ہے؟ امیر و غریب بادشاہ اور فقیر، حاکم اور رعایا، ظالم اور مظلوم، بیوہ اور سہاگن، پہلوان اور روگی، انسان اور جانور، کیڑے اور چوپائے، رینگنے اور پرندے سب کو ایک گھاٹ پر اتارنے والی موت کے سامنے بھی نخوت اور غرور سے انسان کا سر نیچا نہیں ہوتا! اور انسان نخوت اور غرور میں مبتلا ہے کہ موت جیسی عام حقیقت میں بھی برتری اور امتیاز کا دعویدار ہوتا ہے اور اپنا دعویٰ زبان کے ذریعہ دائر کرتا ہے۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا ذکر کرتا ہے جو دنیا سے گزر چکا ہے تو نام یا لقب یا رشتے کے حوالے کے ساتھ مرحوم کہتا ہے۔ جیسے افضل خاں مرحوم، بھائی صاحب مرحوم۔

ہندو اپنے مذہب والوں کو جنت میں پہنچاتے ہیں اور سورگ باشی یا بیکنٹھ باشی کہتے ہیں۔ اگر موت واقع ہونے کے معنی ہیں "سورگ باش" ہوگیا کہتے ہیں۔

اس کے برعکس جب غیر مذہب کے گزرے ہوئے افراد کا حوالہ دینا ہوتا ہے تو مسلمان "آنجہانی" اور ہندو "پرلوک باشی" کہتے ہیں۔ دونوں کے معنے ہیں "دوسری دنیا کا" یا دوسری دنیا میں بسنے والا۔ اس کا مطلب ہی یہ نکلتا ہے کہ ایک مسلمان کے نزدیک کوئی بھی غیر مسلمان جنت میں نہیں جاسکتا یا اس پر اللہ کی رحمت نہیں ہوسکتی اور ایک ہندو کے نزدیک کوئی بھی غیر ہندو سورگ میں نہیں جاسکتا اور بیکنٹھ باشی نہیں ہوسکتا!"

ڈاکٹر جعفر حسن

### (۲)

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ اردو کی ترقی اور ترویج میں مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں بالخصوص اہل ہنود حضرات کا حصہ بہت زیادہ تھا اور آج بھی ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اردو پر ایرانی یا عجمی تہذیب و تمدن، عقائد اور رسوم کے اثرات حاوی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں صدہا سال تک ان خاندانوں کا اقتدار رہا ہے جن کا تعلق بالواسطہ یا براہ راست ایران سے تھا۔ یہ سلسلہ آریائی دور سے شروع ہوکر مغلوں کے عہد تک قائم رہا۔ عجمی تمدن کے اثرات اس حد تک گہرے تھے کہ مذہبی اصطلاحات بھی ان سے بچ نہ سکیں مثلاً اگرچہ مسلمان بھی لفظ

انھوں نے زیادہ تر عربی یا اسلامی مصطلحات کی جگہ متعدد زرتشتی اور سنسکرتی الفاظ کو قبول کر لیا تھا چنانچہ خدا، فرشتہ، جنت، دوزخ، نماز، روزہ وغیرہ اسی قبیل سے ہیں۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر عقاید پر بھی اثرات مرتب ہوتے رہے۔

اردو ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے اور ہندوستان میں دنیا کے تقریباً تمام بڑے مذاہب کے پیرو آباد ہیں، اردو نے ایک ترقی پذیر زندہ زبان کی حیثیت سے تمام مذاہب کی اصطلاحات کو اخذ کیا اور اس طرح عقیدوں کی بنیاد پر بکھرے ہوئے انسانوں کے مختلف گروہوں میں یک جہتی پیدا کی، ہمارے بزرگوں نے اس کا التزام کیا تھا کہ مذہبی مصطلحات کو ان کے اصطلاحی معنوں میں ہی استعمال کریں اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہم جملہ عقاید سے واقف ہو سکے اور اس طرح ایک دوسرے سے قریب تر آ سکے لیکن کچھ عرصہ سے "رواداری" کا جنون زور پکڑتا معلوم ہوتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مذہبی اصطلاحات کے استعمال کو عام کیا جانے لگا اس سے ایک طرف یہ نقصان ہوا کہ الفاظ کے اصطلاحی معنی ختم ہو گئے اور وہ مبہم بلکہ مہمل ہو گئے اور دوسری طرف عقاید کو سمجھنے میں الجھن پیدا ہونے لگی اس سلسلے میں "شہید"، "امام"، "مرحوم" وغیرہ الفاظ خصوصاً الجھن کا سبب بن گئے ہیں، ایک مخصوص عقیدہ کے مطابق ان الفاظ کے ساتھ جو مفہوم اور روایات وابستہ ہیں ان کو نظر انداز کر کے انھیں عام کر دینے کے اسباب کا مجھے علم نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ یہ طریقہ کار مفید نہیں ہو سکتا۔

اپنے بزرگوں کی یادوں کو قائم رکھنے کے لئے مسلمانوں کے پاس اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ وہ ان کے احوال اور تذکرے قلم بند کریں ضرورت نے انھیں اس سلسلہ میں اصطلاحات وضع کرنے پر مجبور کیا چنانچہ ان سوانح پر چند فقرے مستعمل ہیں یعنی:۔

صلی اللہ علیہ وسلم (صلعم / م)، علیہ السلام (ع)
رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رض)، کرم اللہ وجہہ (ک)، رحمۃ اللہ علیہ (رح) وغیرہ۔

ان فقروں پر غور کیجیے تو اندازہ ہو جائے گا کہ مذہبی نقطۂ نظر سے حفظ مراتب کا سختی سے التزام کیا گیا ہے چنانچہ اول الذکر فقرہ صرف آنحضرت ذات بابرکات صلعم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور آخر الذکر کا ان تمام بزرگان دین کے نام کے ساتھ الحاق کیا جاتا ہے جو انبیاء اور صحابہ کرام کے علاوہ ہوں۔ عامۃ المسلمین کے لئے ابھی ایک اصطلاح کی ضرورت اور محسوس کی جاتی تھی اس کے لئے لفظ "مرحوم" کو رواج دیا گیا مانعی کے لئے خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب یا عقیدہ یا مسلک سے ہو "آنجہانی" کا استعمال کرتے ہیں، اردو کی وسعت سمجھنے کے لئے یہ کافی ثبوت ہے کہ اس کے پاس ایک ایک مفہوم کی ادائیگی کے لئے کئی کئی اصطلاحیں موجود ہیں۔

لفظ "آنجہانی" کی حیثیت کے متعلق سوچتا ہوں تو یہ بات کھٹکتی ہے یہ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ عالم دو ہیں ایک عالم آب و گل اور دوسرا عالم ارواح، انسان مرجاتا ہے تو روحیں عالم ارواح میں جا رہتی ہیں چنانچہ ان عقاید کے ماننے والے اپنے مردوں کو بے تکلف "آنجہانی" کہہ سکتے ہیں لیکن ان سے مختلف معتقدات بھی انسانوں میں پائے جاتے ہیں بعضوں کے نزدیک جسم کے ساتھ روح کا ختم ہو جانا بھی ممکن ہو سکتا ہے دوسروں کے عقیدہ کے مطابق روح اسی دنیائے آب و گل میں رہتی ہے صرف خاکی جسم بدل جاتا ہے بقول شاعر:

فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

ان سے یہ تقاضا کرنا کہ یہ بھی اپنے مردوں کو "آنجہانی" ہی کہیں مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ یہ لفظ اصطلاح کا درجہ حاصل کر چکا ہے اس کا استعمال عامۃ الناس کے لئے کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا ہے بلا امتیاز اس کے کہ مردہ کس مسلک یا مذہب کا ماننے والا تھا اور اس کا مذہبی مرتبہ کیا تھا۔

مردوں کے لئے یہ مختلف تراکیب اسی نوعیت کی ہیں جیسے بنی نوع انسان کے مختلف افراد میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے رسول، نبی، صحابی، تابعی، ولی، مسلم، مومن، مشرک وغیرہ الفاظ رائج و مستعمل ہیں۔ جس طرح ہر ولی کا مومن ہونا یقینی ہے لیکن ہر مومن کو ولی نہیں کہا جا سکتا اسی طرح کسی بھی مردہ کو "آنجہانی" کہا جا سکتا ہے لیکن ہر آنجہانی کو "مرحوم" کہنا صحیح نہیں جہاں تک میری معلومات ہیں اس قسم کی مصطلحات کے استعمال میں ہندو مصنفین زیادہ محتاط ہیں۔ چنانچہ دیبی پرشاد بشاش، درگا پرشاد نادر اور رام سرن رام وغیرہ کی تحریریں سند کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔

محمد انصار اللہ نظر

---

## شام فراق

دہلی رائٹرز ایسوسی ایشن کی مجلس عاملہ نے اکتوبر کے وسط میں عالی شان پیمانے پر "شام فراق" منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ تقریب نہایت اہم اور شاندار ہونے ہوگی۔ پروگرام کی تفاصیل بہت جلد طے کی جائیں گی۔ تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔

چندر پرکاش شاد (سکریٹری)

عبدالحی

# تبصرے

## ماہنامہ کتاب لکھنؤ (نئی ہندی کہانی نمبر)

ایڈیٹر: سید جمیل احمد
ملنے کا پتہ: دفتر ماہنامہ کتاب، چوک، لکھنؤ
قیمت: ایک روپیہ

یہ بات اب تمام انصاف پسند لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ اردو اور ہندی ایک بنیادی زبان کے دو ادبی روپ ہیں جن کو تاریخی حالات نے مستقل زبانوں کی حیثیت دے دی ہے لیکن جیسے جیسے تنگ نظری، تعصب اور ہٹ دھرمی کی وہ فضا، جسے بعض ان سیاست دانوں نے پیدا کر دیا تھا جن کی ساری سیاست زبان کے مسئلہ کے گرد گھومتی ہے، صاف ہوتی جا رہی ہے، ویسے ویسے اردو اور ہندی ادب ایک دوسرے کے قریب آ رہا ہے۔ ادھر کافی تعداد میں ہندی کی کتابیں اردو میں اور اردو کی ہندی میں منتقل ہوئی ہیں۔ یہ کام بہت ضروری اور مستحسن ہے صرف اس لئے نہیں کہ اس طرح اردو اور ہندی کے درمیان غلط فہمی کی جو بڑی خلیج پیدا ہو گئی تھی وہ کم ہو بلکہ اس لئے بھی کہ اس سے دونوں زبانوں کے ادب کا دامن وسیع ہوگا۔ ماہنامہ کتاب نے "نئی ہندی کہانی نمبر" شایع کر کے اس سمت میں ایک اور قدم بڑھایا ہے۔

اس نمبر میں ہندی کے نئے نمایندہ افسانہ نگاروں کی ۱۲ کہانیاں پیش کی گئی ہیں۔ شروع میں دو مقالے ہیں جن سے اس پیش رفت کا پتہ چلتا ہے جو ہندی کہانی نے پچھلے دس پندرہ سالوں میں کی ہے اور ان رجحانات کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جو ہندی افسانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ پرشاد صاحب کے مقالے میں بعض مفید باتیں زیر بحث آئی ہیں لیکن ان میں بعض سے اختلاف ممکن ہے۔

حقیقی ادب وہی ہے جو زندگی کا پورا اور اصلی عکس پیش کرے یہ بات ادب کی تمام ہی صنفوں میں ہونا چاہیے۔ لیکن افسانے اور شعری ادب کا رشتہ اگر زندگی سے نہ ہو تو یہ دونوں اصناف اپنی موت آپ مر جاتی ہیں۔

یہ بات خوشی کی ہے کہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے افسانوی ادب کا رشتہ زندگی سے بہت استوار ہے یہی وجہ ہے کہ فی زمانہ افسانے اور ناول خواہ ہندی کی ہوں یا اردو کی بہت زیادہ مقبول ہیں۔

ہندی کہانی نے پچھلی دہائی میں موضوعات کی وسعت اور تکنیک دونوں اعتبار سے کافی ترقی کی ہے۔

اس نمبر میں جنیشور رائے، موہن راکیش، اوشا پریم وداّ، رمیش بخشی، کملیشور، رگھوویر سہائے، نرمل ورما، راجندر یادو، شانی، کنور نارائن، ٹھاکر پرشاد سنگھ اور امرکانت کی کہانیوں کے اردو ترجمے شامل ہیں۔

جنیشور رائے کی کہانی اپنے موضوع اور ڈھنگ دونوں اعتبار سے ایک انوکھی جدت لئے ہوئے ہے۔ امرکانت کی کہانی "ڈپٹی کلکٹری" کو پڑھ کر پریم چند کے افسانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ کہانی متوسط طبقے کے المیہ کو بڑے موثر انداز میں پیش کرتی ہے۔

ٹھاکر پرشاد سنگھ، جنھوں نے کتاب کے اس نمبر کو ترتیب دیا ہے اور جو خود ایک ممتاز افسانہ نگار اور ناقد ہیں، کی بھی ایک کہانی "کھوٹا سکہ" اس نمبر میں شامل ہے۔ اس کہانی کا پس منظر دیہاتی زندگی ہے جہاں خود مصنف کے بقول "ایک ٹوٹا ہوا آدمی ماضی کے تحفظ کے لئے آخری لڑائی لڑتا ہے۔"

رمیش بخشی، موہن راکیش اور راجندر یادو کی کہانیاں آج کی شہری زندگی کے مسائل کا مطالعہ ہیں "تیسرے پہر کی دھوپ" اگر اس نمبر میں شامل نہ ہوتی تو اچھا تھا، اس کا نوکیلاپن ذوق سلیم پر گراں گزرتا ہے اور پھر جس ذہنیت کا پردہ اس میں فاش کیا گیا ہے وہ ایک بیماری ہے جو ابھی خال خال لوگوں ہی تک محدود ہے اور اس کا چرچا مناسب نہیں۔

آخر میں "بارہ کہانیاں" کے عنوان سے ٹھاکر پرشاد سنگھ کا تبصرہ یا تجزیہ ہے۔

مجموعی طور پر یہ ایک قابل قدر پیش کش ہے اور اردو کے افسانہ پڑھنے والوں اور لکھنے والوں دونوں کے لئے اس کا مطالعہ دلچسپ اور مفید ہوگا۔

## ماہنامہ "پونم" حیدرآباد

اڈیٹر: ناصر کرنولی
ملنے کا پتہ: ۲۰۱ – ۲/۷ – ۱۱ اعظم پورہ، حیدرآباد (آندھرا پردیش)
قیمت: ۵۰ پیسے

حیدرآباد سے ادھر کئی نئے ادبی ماہنامے جاری ہوئے ہیں، ان ہی میں "پونم" بھی ہے زیر نظر شمارے سے پہلے "پونم" کے تین شمارے اور نکل چکے ہیں۔ اس پرچے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ پابندی وقت کے ساتھ شایع ہوتا ہے یہ بات بہت کم ادبی پرچوں کو نصیب ہے۔

زیر نظر شمارے میں تین مقالے، ایک مذاکرہ، پانچ غزلیں، چار افسانے، آٹھ نظمیں اور تین مزاحیہ خاکے ہیں۔

آخر میں "قلم سنگم" پر تبصرہ اور اڈیٹر کے نام آئے ہوئے چار خط "قومی آزادی اور اردو شاعری" میں مقالہ نگار نے اقتباسات کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ جنگ آزادی میں اردو شاعری نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

"ہند قدیم کا مشہور ڈرامہ نویس راج شیکھر" میں نہ صرف راج شیکھر کے فن پر روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ ضمناً قدیم ہندوستان میں فن ڈرامہ نگاری کی ابتدا اور عروج و زوال کا بھی بیان ہے۔

تیسرا مضمون "آسکر وائلڈ کا نظریۂ فن" ہے۔ مقالہ نگار نے اس مضمون میں آسکر وائلڈ ہی کی زبانی اس کے نظریۂ فن کو واضح کیا ہے۔ اگر آسکر وائلڈ کی ان تحریروں کا بھی حوالہ دیدیا جاتا جن کی بنیاد پر یہ مضمون تیار کیا گیا ہے تو مضمون کی افادیت بڑھ جاتی۔ خصوصاً ان قارئین کے لئے جو اس موضوع پر مزید تحقیق کے خواہش مند ہیں۔

زیر نظر شمارے کا افسانوی حصہ ہی در اصل اس شمارے کی جان ہے۔ اس میں کوثر چاند پوری اور آمنہ ابوالحسن کی تخلیقات بھی شامل ہیں۔

اس کے بعد حصہ نظم آتا ہے اور پھر حصہ غزل۔ حصہ غزل میں آرزو لکھنوی مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ غزل بھی پیش کی گئی ہے۔ جس کا مطلع اور مقطع ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

پاس سوائی کہاں تک دل جب بنا جل گیا — راز غم جس میں چھپاتے تھے وہ پردا جل گیا
برق حسرت آرزو گل تھا پر گر ی — تھی پھلنے کی خوشی جبکہ وہ پودا جل گیا

پونم کے پہلے شمارے میں اردو شاعری میں نئے تجربے کے عنوان سے ایک مذاکرہ شروع کیا گیا تھا۔ اس پرچے میں اگر اس مذاکرے کی نوعیت "مناظرہ" کی سی ہوگئی ہے۔ ادبی مذاکرات میں یہ رجحان غیر صحت مند ہے۔ شرکاء مذاکرہ کو لب و لہجہ میں متانت اور توازن برقرار رکھنا چاہیے اسی طرح یہ مذاکرہ اس مقصد کو پورا کر سکے گا جس کے تحت یہ شروع کیا گیا تھا۔

بہتر ہو اگر اڈیٹر کے نام آئے ہوئے صرف وہی خطوط شایع ہوں جو ادبی اہمیت کے حامل ہوں۔ زیر نظر شمارے میں جو خطوط شایع ہوئے ہیں ان میں صرف حرمت الاکرام کا مراسلہ اس ذیل میں آتا ہے۔

پونم کی اٹھان اچھی ہے اور اب تک اس کے جو چار شمارے شایع ہوئے ہیں وہ اس پرچے کے اچھے مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں اگر اسی محنت اور لگن سے پابندی وقت کے ساتھ یہ پرچہ شایع ہوتا رہا تو عجب نہیں کہ جلد ہی یہ صف اول کے ادبی پرچوں میں شمار ہونے لگے۔

**ماہنامہ "آنچل" حیدرآباد**

**اڈیٹر:- غوث یوسفی**

**قیمت:- ۶۲ پیسے**

غوث یوسفی کی ادارت میں حیدرآباد سے یہ ایک نیا ماہنامہ جاری ہوا ہے زیر نظر شمارہ اگست کا ہے اور پہلا شمارہ ہے جیسا کہ مدیر نے اداریٔ نوٹ میں کہا ہے۔ اس نمبر کے لئے انھیں اچھے مقالے ہاتھ نہ آسکے چنانچہ بعض مشاہیر کے مطبوعہ مضامین کو "ڈائجسٹ" طریقے پر پیش کیا ہے مثلاً نرنت کا کوڑی کا "اردو شاعری میں رقیب" یا فراق گورکھپوری کا "خطرناک ٹیکنیک نیتی"۔ ادیب یعقوبی کا مضمون البتہ غیر مطبوعہ ہے۔

مضامین کے علاوہ تین افسانے، پانچ نظمیں اور دو غزلیں شریک اشاعت ہیں مستقل صفحات کے تحت ایک پیروڈی، ایک قلمی چہرہ اور یاد رفتگاں کے عنوان سے امجد حیدرآبادی مرحوم کے متعلق ایک مختصر مضمون ہے آخر میں تہذیبی خبریں اور تبصرے ہیں۔

پرچہ اگر پابندی سے شایع ہوتا رہے تو ترقی کر جائے گا غوث صاحب دھن کے پکے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے عزائم بھی بلند ہیں اور انھیں سلیقہ بھی ہے امید ہے کہ جلد سے جلد وہ اس پرچے کو ایک اچھا ادبی جریدہ بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ اس بات کا بہرحال لحاظ رکھنا چاہیئے کہ مضامین اور منظومات ایسی شایع کی جائیں جن میں کوئی اپج ہو، اس سے پرچے میں جان پڑے گی اور اس کی مقبولیت کا سامان بھی پیدا ہوگا۔ مزاحیہ مضامین یا پیروڈی وغیرہ ہی اب ستھرے ادبی ذوق کی تسکین کے لئے کافی نہیں۔



مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علیگڈھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علیگڈھ سے شایع